ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

اسلامی تہذیب وتمدن کے مزاج کا اظہار اگر ایک لفظ میں کرنا ہوتو اس کے لیے علم سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہوسکتا۔ اگر چہ اسلام سے قبل دنیا کے بعض خطوں میں علوم وفنون کے چرچے تھے، مصر، یونان، چین، روم، ہندوستان اور ایران میں تعلیمی ادارے قائم تھے، مگر سب جگہ ایک بات بہ طور قدر مشترک نظر آتی ہے کہ تعلیم وتعلّم کی تمام سرگرمیاں ایک مخصوص گروہ یا طبقہ تک محدود تھیں، عوام تک علم کی رسائی نہیں تھی۔ یونان میں ارسطو جیسا فلسفی اپنی بلندیٔ فکر کے باوجود عورتوں اور غلاموں کو علم کی مسند پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ ہندوستان میں مشہور ماہر قانون 'منوٗ' نے شودروں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، بلکہ اگر کوئی شودر مقدس کتاب 'ویدٗ' کے الفاظ سننے کی کوشش کرے تو اس کے لیے اس نے یہ سزا تجویز کی تھی کہ اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ یہ تو دورِ قدیم کی بات تھی، بعض ممالک میں تو انیسویں صدی عیسوی تک صورتِ حال بہتر نہ ہوسکی تھی۔ امریکہ کی ریاست جنوبی کیرولینا نے ۱۸۳۴ء میں یہ قانون پاس کیا کہ ''اگر کوئی شخص غلاموں (حبشیوں) کو تعلیم دیتے ہوئے یا اس میں تعاون کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اگر وہ شخص سفید فام ہے تو اس کو ایک ڈالر جرمانہ اور چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ کالا ہے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی''۔ الغرض ہر جگہ ایک طبقہ نے علم پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور وہ عوام کو اس میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔[1]

عہدِ نبوی

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے علم کے بارے میں یہ تصور رائج کیا کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں انسان کو صرف اس لیے برتری حاصل ہے کہ اسے علم سے نوازا گیا ہے۔ اسی لیے کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لیے نہیں ہوتا۔[۲] نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انما بعثت معلما. [۳] میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ارشادِ خداوندی 'اقرأ' نے علم وحکمت کے دروازوں کو کھول دیا اور نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا منصب اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانا اور انہیں کھول کھول کر آسان لفظوں میں بیان کرنا قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۔(النحل:۴۴) اور ہم نے آپ کے اوپر ذکر اتارا، تاکہ آپ لوگوں کو وہ تعلیمات کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔

وحی الٰہی کے آغاز سے تعلیم وتعلّم کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اولین اسلام لانے والوں (السابقون الاوّلون) میں سے ایک صحابی حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ تھے۔ ان کا مکان کوہِ صفا کی بلندی پر واقع تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو اسلام کا پہلا مرکز بنایا اور یہیں تعلیم گاہ قائم ہوئی۔[۴] دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے یہاں جمع ہوتے اور آپؐ انہیں قرآن مجید کے نازل شدہ حصوں کی تعلیم دیتے۔ آپؐ تین سال یعنی ۶ نبوی کے آخر تک یہاں اشاعت اسلام اور نومسلموں کی تربیت کا کام انجام دیتے رہے۔[۵] آپؐ کے حکم سے تعلیم یافتہ صحابہ دارارقم کے باہر بھی لوگوں کے گھروں میں جاکر ان کو تعلیم دیا کرتے تھے۔[۶]

بیعت عقبہ ثانیہ، جو ہجرتِ مدینہ سے دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی، اس کے بعد آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ کو مدینہ منورہ روانہ کیا،

تا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور نماز پڑھنا سکھائیں۔[۸] بعض روایات میں آتا ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بھی مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[۸] حضرت سعید بن العاصؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، بلکہ خوش خط تھے۔[۹] انھوں نے وہاں جا کر لوگوں کو تحریر و کتابت بھی سکھانا شروع کر دی۔ یہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والا پہلا مدرسہ تھا۔[۱۰]

ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی تو تمام داخلی اور خارجی خطرات اور ہنگاموں کے باوجود نبی کریم ﷺ نے تعلیم کی طرف اولین توجہ مبذول فرمائی اور پہلے باقاعدہ تعلیمی ادارے کا قیام مسجد نبویﷺ کی تعمیر سے ہوا۔ آپؐ نے مسجد کے کنارے ایک جگہ مخصوص کر لی، جسے اس کے سائبان کی وجہ سے 'صفہ' کہتے تھے۔ یہ ایک کھلی اقامتی (Residential) درس گاہ تھی، جس میں ہر چھوٹا بڑا شخص تعلیم و تربیت حاصل کرتا تھا، چاہے وہ اس میں اقامت گزیں ہو یا نہ ہو۔ مسلمانوں کی ایک جماعت، جس نے اپنی کل زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی تھی، تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے اس میں اقامت گزیں ہوگئی۔ انہیں 'اصحاب صفہ' کہتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر مسجد نبوی کی اس درس گاہ کو عصر حاضر کی اقامتی اور کھلی درس گاہوں کا پیش خیمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔[۱۱]

اس تاریخی درس گاہ میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، اعیان و اشراف، رؤسائے قبائل، عالم، جاہل، بدوی، شہری، بوڑھے، جوان، سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سب کے ذہن و مزاج، افتادِ طبع اور زبان ولب و لہجہ کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ درس گاہ نبوی کے ان طلباء میں 'اصحاب صفہ' کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ وہ دن رات حاضر باش رہتے تھے، تعلیم و تعلم، ذکر و اذکار، تلاوت قرآن مجید اور باہمی مذاکرہ و مراجعہ کے علاوہ ان کی کوئی اور مصروفیت نہیں ہوتی تھی۔[۱۲]

صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ

آتے تھے، جن کے مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مختلف حالات کے تحت اور مختلف اوقات میں اہل صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مستقل رہائش رکھنے والوں کی تعداد عام طور پر ستر کے قریب رہتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہ تعداد بہت زیادہ بڑھ جایا کرتی تھی، یہاں تک کہ اکیلے حضرت سعدؓ بن عبادہ بعض اوقات اسّی اسّی لوگوں کی دعوت کرتے تھے، جبکہ باقی اصحاب صفہ دیگر صحابہ کرامؓ کے مہمان ہوتے تھے۔[۱۳]

نبی کریم ﷺ کی صحبت اور معیت بھی ایک دائمی درس گاہ تھی، جس سے صحابہ فیض یاب ہوتے تھے۔ آپؐ نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھہرے رہتے اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے۔ مصلیٰ سے اٹھ کر آپؐ اس مقام پر آکر بیٹھ جاتے تھے جہاں آج کل اسطوانۂ (ستون) توبہ واقع ہے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ اگر افراد زیادہ ہوتے تو پہلے حلقہ کے گرد دوسرا حلقہ بنا لیتے۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد درس گاہ تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: ''نماز فجر کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ جاتے تھے۔ ہم میں سے کوئی شخص قرآن کے متعلق سوال کرتا تھا، کوئی فرائض (وراثت) کے مسائل معلوم کرتا تھا، کوئی خواب کی تعبیر دریافت کرتا تھا۔[۱۴]

اکثر صحابہ کرامؓ اس صباحی مجلس میں حاضر رہتے تھے۔ کاروبار کی مجبوریوں کے باعث جو لوگ خود حاضر نہیں ہو سکتے تھے، وہ حاضر و موجود صحابہؓ سے وہاں کی گفتگو سنتے اور باخبر ہوجاتے تھے۔ بعض صحابہ نے باری مقرر کر لی تھی، ایک دن ایک جاتا تھا اور دوسرے دن دوسرا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''میں اور میرا ایک پڑوسی بنی امیہ بن زید کے قبیلہ اوران کے مواضع میں رہتے تھے۔ ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری دیتے تھے۔ ایک دن وہ جاتا تھا اور ایک دن میں جاتا تھا۔ جب میں مجلس میں حاضری دیتا تو اس دن کی وحی اور تمام دوسری باتوں کی اطلاع اسے دیتا اور جب وہ حاضر ہوتا تو وہ تمام معلومات مجھے بہم پہنچاتا تھا۔[۱۵]

مسلمانوں کی یہ پہلی درس گاہ ایک با قاعدہ تعلیمی ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس میں عام لوگوں کو قرآن اور اس کی تعلیمات کے ساتھ فقہ، فن تجوید اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مختلف مضامین کی تدریس کے لیے مختلف ماہر افراد کو بہ حیثیت استاد مقرر کیا گیا تھا اور ان سب کی سرپرستی اور نگرانی حضور ﷺ خود فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی ضروری ہوتا اساتذہ اور طلبہ آپؐ سے رجوع کرتے تھے۔ 'صفہ' دن میں ایک مدرسہ بن جاتا تھا اور رات کو دارالاقامہ اور بورڈنگ۔ یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود نبی کریم ﷺ دیا کرتے تھے، لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا کام رضا کار نوجوان صحابہ کے سپرد تھا۔[۱۶]

نبی کریم ﷺ نے فروغ علم کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں ایک اہم واقعہ ان قیدیوں کا ہے جو کفر و اسلام کے پہلے معرکہ یعنی جنگ بدر میں مسلمانوں کی قید میں آئے۔ ستر مکے والے اس جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے آپؐ نے ان لوگوں میں سے جو مال دار نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔[۱۷] اس واقعہ سے آپؐ کی تعلیم و تعلّم سے گہری دل چسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپؐ نے تعلیم کا مادی سطح سے بلند تصور پیش کیا۔ آپؐ نے اہلِ ایمان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں کردی کہ تدریس اور تعلیم کا کام عبادت کی طرح محترم اور مقدس ہے۔ یہ کارِ خیر ہے، جس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا:

> ''بہتر صدقہ (نیکی کا کام) یہ ہے کہ ایک مسلمان علم حاصل کرے اور پھر اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے''۔[۱۸]

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف علم حاصل کرنے کی تلقین کی، بلکہ اس کی اشاعت کو بھی لازمی قرار دیا۔ حصول علم کے ساتھ اشاعت علم کا فریضہ وابستہ کردینے سے مسلمانوں میں ایک جانب تو اساتذہ کی موجودگی اور ان کے کام کی توثیق ہوتی ہے، دوسری جانب ایک ایسا تعلیمی نظام بھی وضع ہوجاتا ہے جس میں ہر فرد کو تعلیم حاصل کرنے

کے مواقع مل جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس بات کی بھی ترغیب دلائی کہ وہ مختلف زبانیں سیکھیں۔ آپؐ نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے فرمایا: ''میرے پاس بادشاہوں کے خطوط آتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی غیر اس کو پڑھے۔ کیا تم عبرانی یا سریانی زبانیں سیکھ سکتے ہو؟'' انہوں نے کہا۔ ہاں، اور پھر انہوں نے ۱۷ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔ حضرت زید نے کسریٰ کے ایلچی سے فارسی زبان، نبی کریم ﷺ کے ایک خادم سے رومی زبان، آپؐ کے ایک دوسرے خادم سے حبشی زبان سیکھی اور آپؐ کی ایک خادمہ سے قبطی زبان سیکھی۔[۱۹] کئی صحابہ کرامؓ ایسے تھے جنہیں اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہی میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، جو کئی زبانوں کے ماہر تھے۔[۲۰]

خالص دینی علوم کے علاوہ آپؐ نے اپنے زمانے کے رائج الوقت مفید علوم سیکھنے کی نہ صرف ترغیب دی، بلکہ خود بھی اس کا اہتمام فرمایا۔ چنانچہ آپؐ کا حکم تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، حساب، علم میراث، طب، ہیئت وفلکیات، علم انساب اور علم تجوید کی تعلیم ضرور دی جائے۔[۲۱]

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درس گاہ نہ تھی، بلکہ وہاں کم از کم نو مسجدیں عہدِ نبوی میں موجود تھیں۔ ہر مسجد محلے والوں کے لیے درس گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ خصوصاً بچے وہاں پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اکثر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔[۲۲]

ہجرتِ مدینہ کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط وکتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضا کاروں کے ناموں کی فہرستیں، مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر، اوطاس، وغیرہ میں خبر رساں جو عموماً تحریری طور سے آں حضرتؐ کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد ومعاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی جائے۔[۲۳]

جو قبائل یا اشخاص آپؐ کے پاس وفود کی صورت آتے تھے، آپؐ انہیں انصار کے درمیان تقسیم کر دیا کرتے تھے، تاکہ وہ ایک تو ان کی مہمان نوازی کریں، دوسرے ان کی تعلیم و تربیت کریں۔ آپؐ نے وفد عبدالقیس سے دریافت فرمایا: ''تم نے اپنے بھائیوں کی عزت و تکریم اور مہمان نوازی کو کیسے پایا؟ انہوں نے کہا: ''ہم نے انھیں بہترین بھائی پایا۔ انہوں نے ہمارے لیے نرم بستر بچھائے، بہترین کھانا پیش کیا، وہ صبح و شام ہمیں اللہ کی کتاب اور ہمارے نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم دیتے تھے۔'' ۲۴

اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ سے دیگر مقامات پر تربیت یافتہ معلّم بھیجے اور کچھ صوبوں کے گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا کہ وہ اپنے ماتحت علاقوں کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔ ۲۵ یمن کے گورنر حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام جو طویل تقرر نامہ آپؐ نے لکھا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس میں آپؐ نے انھیں ہدایت دی تھی کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ ۲۶

نبی کریم ﷺ نے جس طرح بچوں اور بالغوں کی تعلیم پر زور دیا اسی طرح عورتوں کی بہتر تعلیم و تربیت کی بھی ترغیب دی۔ آپؐ نے فرمایا:

من کانت له ثلاث بنات او اخوات او ابنتان او اختان فاحسن صحبتن واتقى الله فيهن فله الجنه۔ ۲۷	جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کی بہترین تعلیم و تربیت کی اور ان کے مستقبل کے بارے میں خدا سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔

خود آپؐ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا تھا۔ اس دن آپؐ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے، انھیں دین کی باتیں بتاتے اور ان کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔ ۲۸

مملکتِ اسلامیہ، جو ابتداءً شہر مدینہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی، وسعت اختیار

کرتی چلی گئی، اور نہ صرف خانہ بہ دوش بدوی، بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت اختیار کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ اس نئے دین کو قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبہ کی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ عہدِ نبوی کے اختتام پر ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت اسلامی، باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے، دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔[۲۹]

عہدِ خلافتِ راشدہ

عہدِ نبوی ﷺ میں جس نظامِ تعلیم کی بنیاد ڈالی گئی وہ خلافت راشدہ میں اپنے پورے کمال کو پہنچا۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد خلافت راشدہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو نئے نئے مفتوحہ علاقوں میں، جہاں دیگر کبار صحابہؓ نے اقامت اختیار کی، وہاں ان کی سکونت کے ساتھ علم کے مراکز بھی قائم ہوتے گئے۔ مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، دمشق، فسطاط وغیرہ علمی مرکز بن گئے۔[۳۰]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مختصر زمانۂ خلافت زیادہ تر مرتدین کی شورشوں کے قلع قمع میں گزرا۔ زمامِ کار سنبھالتے ہی انھیں دو بڑے فتنوں سے سابقہ پیش آیا۔ ایک طرف جھوٹے مدّعیانِ نبوت کھڑے ہوگئے تو دوسری طرف کچھ مسلمان قبائل نے مرکزی حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان دونوں کی طرف توجہ دی۔ آپ کے دور میں نبی کریم ﷺ کا جاری کردہ نظام تعلیم و تدریس بہ حسن وخوبی جاری رہا۔ مساجد میں حلقہ ہائے درس جاری تھے۔ بزرگ صحابہ تعلیم و تدریس میں مشغول تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے حلقہ ہائے درس میں خواتین، خاص طور پر بچیاں، قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔[۳۱]

خلفائے راشدین میں خاص طور پر حضرت عمر فاروقؓ نے تعلیم و تدریس پر توجہ فرمائی۔ آپ نے شام، کوفہ، بصرہ اور دیگر شہروں میں علمائے صحابہ کو تعلیم کے لیے روانہ

کیا نیز بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مکاتب جاری کیے۔(۶۱)۔آپؓ نے عبداللہ بن خزاعیؓ کو مامور کیا کہ وہ مسجد نبوی میں بچوں کو جمع کر کے انھیں تعلیم دیں۔آپ نے تعلیم کے لیے اوقات مقرر کیے کہ صبح فجر کی نماز کے تھوڑی دیر بعد سے دن چڑھے تک اور ظہر کی نماز سے عصر تک تعلیم دیں، باقی وقت آرام کریں۔۳۲

نصابِ تعلیم میں بھی آپؓ نے اصلاح فرمائی۔ اگرچہ طلبہ مکمل قرآن مجید پڑھتے تھے، مگر بعض کم زور ذہن کے طلبہ تکمیل نہ کر پاتے تھے۔اس لیے آپ نے قرآن کا لازمی نصاب مقرر فرمادیا، جس کا یاد کرنا ہر طالبِ علم کے لیے ضروری تھا۔سورۂ بقرہ، سورۂ مائدہ، سورۂ نساء، سورۂ حج، اور سورۂ نور کا سیکھنا ہر شخص کے لیے لازمی تھا۔۳۳

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلّمین وقرّاء حضرات کی تنخواہیں مقرر کیں۔۳۴ خانہ بدوشوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر رائج کی۔ اس کام کے لیے آپؓ نے ایک شخص ابو سفیان کو چند افراد کے ساتھ مقرر کیا تھا۔۳۵

آپؓ نے عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجے کہ بچوں کو شہ سواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔اس کے علاوہ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کردی، تاکہ لوگ صحتِ الفاظ اور صحتِ اعراب کے ساتھ قرآن مجید پڑھ سکیں۔ ۳۶ حضرت عمرؓ بن خطاب نے جو ہدایت نامہ مختلف علاقوں میں جاری کیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے: ''اپنے بچوں کو تیراکی، شہ سواری، منقولات اور پاکیزہ شاعری کی تعلیم دو''۔۳۷

شام کی فتح کے بعد حضرت عبادہؓ بن صامت نے معلّمِ قرآن کی حیثیت سے حمص میں قیام فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے دمشق میں اقامت اختیار کی۔انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مکاتب قائم کیے۔لوگ جوق در جوق علم کی تحصیل کے لیے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔۳۸

اس عہد میں کتاب وسنت کے علاوہ علم فقہ کی بھی اشاعت ہوئی۔مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؓ شام میں، حضرت عبداللہ بن معقلؓ اور حضرت عمران بن حسینؓ بصرہ

میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدائن میں اور حضرت حبان بن جبلہؓ مصر میں فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔۳۹ حضرت علیؓ اور فقہائے صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے دیگر صحابہ کی موجودگی سے کوفہ، مدینہ منورہ کے بعد نہایت اہم علمی مرکز بن گیا۔۴۰

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پورے عالم اسلام میں مکاتب کی کثرت، قرآن کی کتابت و اشاعت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی سرگرمی کا اندازہ ابن حزمؒ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو فارس، شام، جزیرہ اور مصر کے تمام شہر فتح کر لیے گئے، ان ملکوں کے ہر شہر اور ہر بستی میں مسجدیں تعمیر کی گئیں، مصاحف لکھے گئے، مشرق سے مغرب تک ائمہ مساجد نے قرآن پڑھا، اور مکاتب کے بچوں کو پڑھایا۔ دس سال سے زائد مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔۴۱

حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہدِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ قرآن مجید کے رسم الخط کی تعیین ہے۔ اس کام کے لیے ۲۵ھ میں انھوں نے تدوینِ قرآن کے لیے ایک کمیٹی بنائی، جس کے سربراہ حضرت زید بن ثابتؓ اور ارکان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ تھے۔ حضرت زیدؓ نے قریش کے لہجے میں اس کو مدوّن کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے پانچ نسخے تیار کرائے۔ ایک نسخہ اپنے پاس رکھا اور ایک ایک نسخہ بصرہ، کوفہ، دمشق اور فسطاط بھیجا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قرآن مجید اس سرکاری نسخہ کے رسم الخط کے مطابق بنالیں۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے قرآن مجید کا مستند رسم الخط عام کرنا نہایت ضروری تھا۔ قرآن مجید کی اشاعت عام کر کے حضرت عثمانؓ نے فروغ تعلیم کی تحریک کو بہت تقویت پہنچائی۔۴۲ انھوں نے اپنے بارہ سالہ دورِ خلافت میں مکاتب میں قرآن مجید کی تعلیم اور ان کے معلّموں پر خاص توجہ کی اور حضرت عمرؓ کی طرح مؤذنوں، اماموں اور معلّموں کے وظائف مقرر کیے۔۴۳

حضرت علیؓ بن ابی طالب کے زمانے میں سابقہ پرامن ماحول قائم نہیں رہا تھا،

باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی، مگر تعلیمی تحریک بدستور سرگرمی سے جاری رہی۔ نومسلم عجمیوں کی تعلیم کے دوران محسوس ہوا کہ عربی زبان کا سیکھنا ان کے لیے دشوار ہے، کچھ قواعد زبان معلوم ہونے چاہئیں، اس طرح علم نحو کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ابوالاسود الدؤلی نے حضرت علیؓ سے نحو کے اساسی نکات سیکھے۔[۴۴] اس نقطۂ آغاز سے بعد میں علم نحو مرتب ہوا، جس کے جاننے کے بعد غیر عربوں کے لیے عربی زبان سیکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا آسان ہوگیا۔ اس دور کی تعلیمی خصوصیات حسبِ ذیل تھیں:

۱۔ نصابِ تعلیم بنیادی طور پر قرآن مجید، حدیث اور فقہ پر مشتمل تھا۔

۲۔ تعلیم کتابی نہ تھی، یعنی قرآن مجید کے سوا حدیث اور فقہ بالکل زبانی پڑھائے جاتے تھے۔

۳۔ تحصیل علم کے لیے دنیوی غرض کا شامل کرنا جائز نہ تھا۔

۴۔ تعلیم کے لیے سفر کرنا ضروری تھا۔ ایک ایک حدیث کی سماعت کے لیے لوگ خراسان سے لے کر دمشق اور حجاز تک کا سفر پاپیادہ کرتے تھے۔

۵۔ مسجدیں اور علماء کے مکانات تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔[۴۵]

عہد بنوامیہ

عہدِ بنوامیہ میں ابتدائی تعلیم کا نظام پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ہر جگہ مکاتب قائم ہوگئے تھے۔ مسجد کے ایک ستون کا سہارا لے کر استاد ایک گدی پر بیٹھ جاتا اور طلبہ اس کے سامنے حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ طلبہ اگر زیادہ ہوتے تو ایک سے زائد حلقے بنائے جاتے تھے۔ صبح چاشت سے لے کر اول وقت تک درس جاری رہتا تھا۔ درس شروع ہونے سے پہلے دعا مانگی جاتی، پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر درس کا آغاز ہوتا۔ طلبہ استاد کو سلام کر کے اپنی اپنی جگہ بیٹھتے جاتے اور باری باری استاد کے سامنے آتے۔ دوزانو ہو کر ادب سے بیٹھتے اور نیا سبق لیتے۔[۴۶] ان مکاتب میں نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض مکاتب میں علم لغت اور نحو کی تدریس بھی

شامل تھی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک کی بڑی بڑی مساجد مدارس اور جامعات کا کام دیتی تھیں۔ مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، جس میں قرآن، حدیث، فقہ، فرائض اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں ربیعۃ الرأی کا حلقۂ درس مشہور تھا۔ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ اسی حلقے کے تعلیم یافتہ تھے۔ حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق تھا۔ کوفہ میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور امام شعبیؒ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ بصرہ میں حضرت امام حسن بصریؒ کا حلقۂ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔[۴۷] حضرت سعید بن المسیبؒ حدیث وتفسیر کے علاوہ اپنے حلقۂ درس میں، جو مسجد نبوی میں تھا، اشعار پر بھی بحث کرتے تھے۔[۴۸]

اموی خلفاء شہزادوں کو عربیت کی صحیح تعلیم کے لیے بادیۃ الشام بھیجا کرتے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے لوگ عام طور پر کسی بدّو کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور اس سے درس لیتے تھے، لیکن دولت مند لوگ، شہزادے اور زبان وادب کے پرستار البادیہ میں جا کر رہتے تھے، جو اس وقت ایک قسم کی علمی درس گاہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔[۴۹] ان لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ بگڑی ہوئی زبان کے ماحول سے الگ رہیں اور چند سال عربی زبان کے گہوارے میں رہ کر بسر کریں۔ ابتدائی عہد کے اموی شہزادوں کے لیے بادیہ ایک ایسی درس گاہ تھی جہاں وہ اپنے بچوں کو خالص عربی زبان سیکھنے اور شاعری میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے بھیجتے تھے۔[۵۰] اس صحرائی علاقے کے تمام باشندے نہ صرف صحیح زبان استعمال کرتے تھے، بلکہ چند ممتاز افراد ایک جگہ بیٹھ جاتے اور حاضرین کے سامنے بلند پایہ نظمیں پڑھتے اور انھیں عربوں کی قدیم تاریخ سناتے۔ اس کے علاوہ شہزادوں کی تعلیم کے لیے ممتاز اساتذہ مقرر کیے جاتے تھے، جو 'مؤدِّب' کہلاتے تھے۔[۵۱]

ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ طلباء اور حفاظ کو وظیفے دیے گئے۔ دیہاتیوں کی تعلیم کے لیے گشتی معلم مقرر کیے گئے۔ مکتبوں کی

مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور معلم ابوالقاسم بلخی (م ۱۰۵ھ) کوفہ کے ایک مکتب میں بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کے مکتب میں تین ہزار طالب علم پڑھتے تھے۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر ان کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ مکاتب مساجد سے الگ ہوتے تھے۔ ہر گاؤں اور ہر بستی میں ایک مکتب قائم ہو چکا تھا۔۵۲

عہدِ بنی امیہ کا سب سے بڑا کارنامہ عربی رسم الخط کی اصلاح اور اعراب کی اختراع ہے۔ اس دور میں نہ حروف پر نقطے ہوتے تھے اور نہ اعراب۔ اس وجہ سے بچوں خصوصاً غیر عرب بچوں کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی نے اس مشکل کی جانب توجہ کی اور اصلاحِ خط کا کام شروع کیا اور اس کی تکمیل مشہور نحوی اور لغوی خلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۰۔۱۷۰ھ) کے ہاتھوں عمل میں آئی۔۵۳

اشاعتِ علم کے سلسلے میں عہدِ بنو امیہ میں سب سے زیادہ کوشش حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کی۔ وہ خود بھی بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ اشاعتِ علم کی جانب پوری توجہ دیں۔ قاضی ابوبکر بن حزمؒ گورنر مدینہ کو لکھا:

> ”علم کو پھیلاؤ، اس کے لیے مجالس قائم کرو، تاکہ جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں وہ صاحبِ علم بن جائیں۔ علم اس وقت فنا ہو جاتا ہے جب وہ راز کی شکل اختیار کر لے“۔

جعفر بن زبرقان کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں فرمان بھیجا: ”اپنے یہاں کے فقہاء اور علماء کو حکم دو کہ وہ اپنی مجالس اور مساجد میں علم کی اشاعت کریں“۔۵۴

استادوں کی تنگی کی طرف آپؒ کی خاص نگاہ تھی۔ حمص کے گورنر کو لکھا:

> ”ان لوگوں پر نظر رکھو جنھوں نے خود کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے، جو مساجد میں مقیم ہو گئے ہیں، جنھوں نے دنیا کی طلب کو ترک

کردیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے سو سو دینار وظیفہ مقرر کردو، تاکہ ان کی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ جیسے ہی تم کو میرا یہ خط ملے فوراً بیت المال سے ان لوگوں کو رقم ادا کرو“۔۵۵؎

یحییٰ ابن ابی کثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمال حکومت کو فرمان بھیجا:

ان اجروا علیٰ طلبة العلم و فرغوهم للطلب۔۵۶؎	طالب علموں کے وظائف مقرر کردو، تاکہ وہ فارغ البال ہو کر تحصیل علم میں مشغول ہوں۔

عہدِ بنو امیہ میں تدوین احادیث کے علاوہ 'علم مغازی' بھی مدوّن ہوا۔ اس فن کی طرف سب سے پہلے امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے توجہ دی۔ حضرت عاصم بن قتادہ انصاریؒ دمشق کی جامع مسجد میں علم مغازی کی تعلیم دینے پر مامور تھے۔۵۷؎

ان مساعی جمیلہ کے نتیجے میں بنی امیہ کے آخری دور میں بعض مدرسے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ کوفہ کی جامع مسجد میں امام اعظم ابوحنیفہؒ درس دیا کرتے تھے۔ دور دراز ملکوں اور خطوں سے طلبہ ان کی درس گاہ میں پہنچتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی درس گاہ میں طلباء اقصائے عالم سے حاضر ہوا کرتے تھے۔۵۸؎

اموی دور کے نظامِ تعلیم میں حسب ذیل تعلیمی خصوصیتوں کا اضافہ ہوا:

۱۔ علوم وفنون کی ترویج کے لیے تالیف وتصنیف اور ترجمہ کا سلسلہ قائم ہوا۔

۲۔ اساتذہ اور طلبہ کے وظائف مقرر کیے گئے۔

۳۔ مساجد میں تعلیم کے لیے درس کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔

۴۔ بعض اسلامی ملکوں میں اہل علم کو اپنے تعلیمی فرائض کی ادائیگی کے لیے جہاد کی خدمت سے مستثنیٰ کردیا گیا۔

۵۔ زبانی تعلیم کے علاوہ املا کا طریقہ جاری ہوا، یعنی استاد جو کچھ درس دیتا، شاگرد اسے لکھ لیتے تھے۔

۶۔ کتابوں کی قراءت کی سند واجازت کا رواج ہوا۔۵۹؎

عہدِ بنوعباس

عہد بنو عباس میں تعلیم مسجدوں کے صحنوں ، خانقاہوں، علماء کے مکانوں اور امراء کی حویلیوں میں جاری رہی۔ مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط مشہور علمی مراکز تھے۔ اس عہد کی دو درس گاہیں خاص طور پر ممتاز تھیں ۔ایک کوفہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی درس گاہ اور دوسری مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی درس گاہ۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حلقۂ تعلیم میں ہرات (افغانستان) سے لے کر دمشق اور حمص (شام) تک کے طلبہ شریک ہوتے تھے۔ امام مالکؒ کے درس میں شرکت کے لیے ایک طرف بخارا اور سمرقند تک تو دوسری طرف تونس، قیروان ،قرطبہ اور سرقسطہ تک کے طلبہ آیا کرتے تھے۔ ۶۰

عباسی خلیفہ منصور کے عہد سے تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا۔ اس دور میں صرف شرعی ولسانی علوم ہی کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا، بلکہ حکومت کی سر پرستی میں بیرونی علوم کو بھی عربی میں منتقل کیا گیا اور سریانی اور فارسی زبانوں سے عربی زبان میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ ۶۱

وزراء اور خلفاء اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام اپنے مکانات اور محلات میں کرتے تھے اور اس کے لیے سرکردہ علماء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ یہ علماء بڑی تنخواہیں پاتے تھے۔ ۶۲

اتالیق کا منصب انتہائی قابل فخر اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ تاہم درویش صفت لوگوں نے کبھی اس کی تمنا نہیں کی ۔عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے جب عبداللہ بن ادریس سے درخواست کی کہ وہ مامون کو اپنے پاس بلائیں اور اسے احکام وعقائد کا درس دیا کریں تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر مامون عام طلبہ کے ساتھ درس میں شریک ہو تو تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ ۶۳

مامون اور بعد کے خلفاء کے دور میں بغداد ساری دنیائے اسلام کے طلبہ کا کعبۂ مقصد اور علماء اور فضلاء کا قبلۂ حاجت تھا۔ ان مرکزی شہروں کے علاوہ خلافتِ

عباسیہ کے بعض دور دراز مشرقی مقامات میں بھی درس و تدریس کا چرچا تھا۔ ابن حوقل (م۳۶۷ھ) نے بحستان میں بہت سی مساجد دیکھی تھیں جن میں سے بعض میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔ المقدسی نے چوتھی صدی ہجری میں فلسطین، شام، مصر اور ایران میں ایسی بے شمار مساجد دیکھی تھیں۔ سیراف، فیروز آباد، اصبہان، نیشاپور، ہمدان، سمرقند اور بخارا مشہور علمی مراکز تھے، جن سے بے شمار فقہاء، محدثین، صوفیاء اور ادباء پیدا ہوئے۔[۶۴]

قرون وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے نہ صرف موجودہ دور کی لائبریریوں کے فرائض پورے کرتے تھے، بلکہ وہ تعلیم گاہوں کا کام بھی دیتے تھے۔ پہلی اسلامی اکیڈمی (بیت الحکمۃ) کتب خانے کے ساتھ قائم کی گئی تھی۔ یہ ادارہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا اور سرکاری اور نجی طور پر اس قسم کے کتب خانے قائم ہوتے رہے، جہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔[۶۵] یاقوت کا بیان ہے:

> ''علی بن یحییٰ بن ابی منصور المنجم (م۲۷۵ھ) کے عالی شان محل میں، جو بغداد سے قریب قفص نامی گاؤں کے نواح میں واقع تھا، ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو خزانۃ الحکمہ کے نام سے مشہور تھا۔ حصولِ علم کی خاطر مختلف شہروں کے لوگ دور دراز سے سفر کر کے وہاں پہنچتے تھے۔ جو لوگ کتب خانے کی عمارت میں رہنا چاہتے ان کے لیے علی بن یحییٰ کی طرف سے قیام و طعام کا بھی مناسب انتظام تھا۔ ان میں سے ایک مشہور طالب علم ابو معشر المنجم تھے۔ خراسان سے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے جاتے ہوئے انھوں نے راستے میں یہ کتب خانہ دیکھا اور جب اس کے اندر پہنچے تو کتابوں کا اتنا زبردست ذخیرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چنانچہ انھوں نے زیارت کا ارادہ ترک کر دیا اور علم نجوم سیکھنے کے لیے وہیں ٹھہر گئے۔ آخر کار انھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا''۔[۶۶]

ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان الموصلی (م۳۲۳ھ) نے موصل میں اسی نوعیت کا دارالعلم قائم کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک قیمتی کتب خانہ بھی تھا، جس میں تمام علوم کی کتابیں جمع تھیں۔ وہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت تھی۔ غریب طلبہ کو امداد دی جاتی تھی۔ یہ کتب خانہ کھلا رہتا تھا۔ جعفر خود وہاں درس دینے کے لیے بیٹھتے اور اپنی تصانیف کے اقتباسات سنایا کرتے تھے۔[٦٧]

عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے حکماء وفلاسفہ کے لیے بغداد کے علاقے شماسیہ میں بہت بڑی شان دار عمارت تعمیر کرائی اور اس میں نظریاتی اور عقلی علوم وفنون کے لیے کمرے تعمیر کرائے۔ ہر کمرے میں علوم عقلیہ ونظریہ کے نام ور اساتذہ کو رکھ کر ان کا سالانہ خطیر وظیفہ مقرر کیا، تاکہ جو شخص جس فن کے ماہر سے تعلیم حاصل کرنا چاہے، آسانی سے حاصل کر سکے۔[٦٨]

عہدِ عباسی میں درس وتدریس کے ساتھ تحقیق کا کام بھی جاری تھا۔ مامون نے الفراء سے جب ایک کتاب لکھوانے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے محل میں آرام وآسائش کا تمام سامان مہیا کیا۔ سارا کتب خانہ اس کی تحویل میں دے دیا۔ کھانا کھلانے اور خدمت گزاری کے لیے ملازم رکھے اور چند منشی مقرر کیے جو ضروری چیزیں لکھنے میں اس کی مدد کر سکیں۔ اس مدت کے دوران الفراء نے 'کتاب المعانی' تصنیف کی، جسے ایک نہایت اہم کارنامہ قرار دیا گیا۔[٦٩]

بیت الحکمۃ میں ترجمے کا کام عروج پر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ فارسی عالم ابوسہل الفضل بن نوبخت ہارون الرشید کے بیت الحکمۃ میں مترجم تھا۔ اس نے پہلی بار بہت سی فارسی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ مامون الرشید نے بہت بڑی تعداد میں غیر ملکی تصانیف جمع کر کے بیت الحکمۃ میں داخل کیں اور شرح وتالیفات کے ساتھ ان کے ترجموں کے لیے بہترین مترجموں کو مقرر کیا، جن میں حنین بن اسحاق اور حجاج بن مطر نمایاں ہیں۔[٧٠]

مصر میں جامع عمرو بن العاص صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے زمانے سے علوم

دینیہ کا مرکز تھی۔ عہدِ طولونی میں مسجد احمد بن طولون معارف اسلامیہ کا ایک اہم مرکز تھی۔ ابن طولون کی مسجد میں تفسیر، احکامِ شریعت، قانون اور علمِ نجوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۳۵۹ھ/ ۹۷۰ء میں فاطمی جرنیل جوہر الکاتب الصقلی نے جامع ازہر کی بنیاد رکھی۔ فاطمیوں نے اس کو مزید وسعت دی۔ اس درس گاہ میں شیعی علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی اور یہاں سے فاطمی دعاۃ دنیائے اسلام میں بھیجے جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب مصر فتح کیا تو جامع ازہر کو اہل السنۃ والجماعۃ کے علوم ومعارف کی تدریس کا مرکز بنا دیا۔ ۳۹۵ھ میں فاطمی حکم ران الحاکم بامر اللہ نے قاہرہ میں دارالعلم یا دارالحکمۃ قائم کیا۔ اس کے لیے ایک عمارت تیار کی گئی اور اسے خوب آراستہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ دارالعلم کی اصلی غرض وغایت شیعی علوم کی اشاعت تھی۔ اس کے مصارف کے لیے فسطاط کے بہت سے مکانات وقف تھے۔ [۱]

موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء کے بارے میں علامہ مقریزی کا بیان ہے:

ان المدارس مما حدث فی الاسلام لم تکن تعرف فی زمن الصحابة ولاالتابعین، و انما حدث عملها بعد الاربع مائة من سنی الهجرة، واول من حفظ عنه انه بنی فی الاسلام أهل نیسابور، فبنیت المدرسة البیهقیة. [۲]	مدارس اسلام بعد میں بنائے گئے ہیں، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ان کا پتا نہیں چلتا ہے، ان کی تعمیر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی ہے اور اہل نیشاپور نے سب سے پہلے مدرسہ بنایا اور مدرسہ بیہقیہ کی تعمیر کی گئی۔

۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے متھرا کی فتح سے واپس جا کر ایک عالی شان مدرسہ بنوایا، جس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، جس میں مختلف کتب خانوں کی عمدہ کتابوں کی نقلیں کرا کے نہایت اہتمام سے جمع کی گئی تھیں۔ مدرسے کے مصارف کے لیے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کیے گئے تھے۔ سلطان کے بھائی امیر نصر سبکتگین نے اپنی امارت نیشاپور کے زمانے میں بھی ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ [۳]

نظام الملک طوسی نے پانچویں صدی ہجری کے نصف میں مدارس نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ان مدارس نے عالم گیر شہرت حاصل کی۔ ان میں اساتذہ ، اخراجات اور کتب خانے کا انتظام، قیام کے وقت ہی کر دیا جاتا تھا۔چھٹی صدی ہجری تک اسلامی دنیا کا کوئی کونہ (بہ جز اسپین کے) علمی عمارتوں سے خالی نہ رہا۔خراسان کے بڑے بڑے صوبے مثلاً نیشاپور، ہرات، بلخ اور ایران کے علاقے گو پہلے سے علم وفضل کے مرکز تھے، مگر نظامیہ کے اثر نے اور بھی مالا مال کر دیا۔۷۴

المقریزی کا بیان ہے کہ مسجد عمر میں بہت سے حلقے تھے۔ایک حلقے میں امام شافعیؒ درس دیا کرتے تھے اور وہ حلقہ انہی کے نام سے منسوب تھا۔اسی مسجد کے دوسرے حلقے مثلاً المجدّیہ، الصاحبیہ، الکاملیہ اور المعینیہ بانیوں کے نام سے مشہور تھے۔۷۵ ابن جبیر نے دمشق کی جامع مسجد کے حلقوں کے متعلق بھی اسی قسم کی تفصیلات بتائی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن جبیر نے لکھا ہے کہ اسی مسجد میں بچوں کو پڑھانے کے لیے ایک ابتدائی مدرسہ بھی قائم تھا۔۷۶

مسجدوں میں عربی لسانیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مثلاً ابوعمر زاہد المنصور کی مسجد میں علم نحو کا درس دیتے تھے اور نفطویہ مسجد انبارئین میں یہی مضمون پڑھاتے تھے۔۷۷ غرناطہ میں علم صرف ونحو کے ایک فاضل ایک مسجد میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کے گرد طلبہ کا مجمع لگا رہتا تھا۔۷۸ کوفہ کی مسجد میں عموماً ادبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ان کا اہتمام الکمیت بن زید اور حماد الراویہ کیا کرتے تھے اور یہی دونوں شعراء ادبی مسائل پر بحث و مباحثہ بھی کیا کرتے تھے۔۷۹ مسلم بن ولید نے بصرہ کی مسجد میں ایک حلقہ قائم کر رکھا تھا جہاں وہ اپنی نظمیں سنایا کرتے تھے۔۸۰

مختصر یہ کہ مسلمانوں کی درس و تدریس کا مختلف جگہوں اور اداروں میں تعلیم کا انداز مختلف رہا ہے۔ابتدائی تعلیم مکاتب میں دی جاتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم کتابوں کی دکانوں، علماء کے گھروں اور ادبی مجلسوں میں رائج تھی۔ مسجدوں میں ثانوی اور اعلیٰ دونوں طرح کی تعلیم دی جاتی تھی۔عموماً ایک ہی مسجد میں مختلف معیار کے کئی حلقے قائم ہوتے تھے اور

طالب علم اپنی لیاقت کے مطابق کسی بھی حلقے میں شریک ہوسکتا تھا۔ عصرِ حاضر میں دنیا کے بیش تر ملکوں میں رائج تعلیم کے مختلف مدارج یعنی ابتدائی (Primary)، ثانوی (Secondary)، اعلیٰ ثانوی (Higher Secondary)، اعلیٰ تعلیم (Higher Education) اور تحقیق (Research)، یہ سب اسلامی عہد حکومت میں عباسی دور تک عملاً وجود میں آچکے تھے۔

حواشی ومراجع

۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم (عہدِ بنی امیہ تک)، طبع اول، دسمبر۱۹۸۳ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ص۵۔۶

۲۔ حمیداللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، مشمولہ ماہ نامہ 'معارف'، اعظم گڑھ، نومبر۱۹۴۱ء، ص۳۳۳

۳۔ ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء، ۲۲۹

۴۔ ابوالحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، داراحیاء التراث العربی بیروت، ت ن، ج۱، ص۴۷

۵۔ محمد حفیظ اللہ پھلواروی، عہدِ نبوی ﷺ میں علمی ترقیاں، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر)، جلد چہارم، ص۱۴۱۔ بہ حوالہ: اخبار مکہ، ج۲، ص۲۱۰

۶۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ج۱، ص۸۰

۷۔ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی، کتاب الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، الجزء اول، مطبعة دائرة المعارف النظامیة، حیدرآباد دکن، الطبعة الثانیة، ۱۳۳۶ھ، ص۲۷۹

۸۔ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۲۲۴

۹۔ محمد عبدالحی الکتانی، نظام الحکومة النبویة، الجزء الاول، دارارقم، بیروت، ت ن، ص۱۰۸

۱۰۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۹
۱۱۔ نصیر احمد ناصر، پیغمبر آخر واعظم، فیروز سنز لاہور، ص ۴۱۶
۱۲۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر والقرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، ادارۂ اسلامیات، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۷۔۴۸
۱۳۔ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الفکر، بیروت، ت ن، ج ۱، ص ۳۴۰-۳۴۱
۱۴۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۲۰
۱۵۔ بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ۸۹، مسلم، ۱۴۷۹
۱۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۹۱
۱۷۔ احمد بن محمد بن حنبل، المسند، ج ۱، ص ۲۴۷
۱۸۔ ابن ماجہ، المقدمہ، باب ثواب معلّم الناس الخیر، ۲۴۳
۱۹۔ احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی، العقد الفرید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء، ج ۴، ص ۲۴۴
۲۰۔ شاہ معین الدین ندوی، مہاجرین، دار المصنفین اعظم گڑھ، طبع دوم، ۱۹۵۲ء، ج ۲، ص ۶۱
۲۱۔ محمود احمد غازی، عہد اسلامی میں تعلیمی وعلمی سرگرمیوں پر ایک نظر، مشمولہ: ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۴ بہ حوالہ: سیوطی، جمع الجوامع، ص ۲۲۲
۲۲۔ ابن عبدالبر، کتاب العلم، ص ۹۷
۲۳۔ ابن سعد، طبقات، ج ۲، ص ۱۳۰
۲۴۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۳۳۹۔۳۴۰
۲۵۔ احمد، مسند، ج ۴، ص ۲۰۶
۲۶۔ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۱۰۵
۲۷۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات والاخوات
۲۸۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ہل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم، ۳۵

۲۹۔ حمیداللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۳۴۴
۳۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۵۵
۳۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۳۱
۳۲۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۴
۳۳۔ ایضاً، ص ۳۳۹
۳۴۔ علاء الدین علی المتقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن، ت ن، ج ۱، ص ۲۲۴
۳۵۔ شبلی نعمانی، الفاروق، دارالاشاعت، کراچی، طبع اول، ۱۹۹۱ء، ص ۲۶۴
۳۶۔ ایضاً
۳۷۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱، ص ۲۱۷
۳۸۔ ابن مسکویہ، تہذیب الاخلاق، مکتبہ الخانجی بالقاھرۃ، ۱۳۶۳ھ، ص ۲۰
۳۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲
۴۰۔ ایضاً
۴۱۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۱۳
۴۲۔ عبدالکریم شہرستانی، الملل والنحل، دارالمعرفہ، بیروت، ت ن، ص ۸۰
۴۳۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۴۸
۴۴۔ ابن جوزی، سیرۃ العمرین، مکتبہ الخانجی بالقاھرۃ، ۱۳۳۶ھ، ص ۴۷
۴۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲
۴۶۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۵۱
۴۷۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، قاھرۃ، الطبعۃ العاشرۃ، ۱۹۶۵ء، ص ۱۷۰ تا ۱۹۲
۴۸۔ طبری، ج ۲، ص ۱۲۶۶
۴۹۔ Encyclopedia of Education, III, New York, ۸۷۔ ۴۱۴

1952, P.1112

۵۰؎ P.K. Hitti, History of Arabs, p.253

۵۱؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۵۲؎ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۵۵

۵۳؎ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University Press, 1962, p.343

۵۴؎ ابو عمر یوسف ابن عبد البر، جامع بیان العلم و فضله، ادارة الطباعة المنیریة، ت ن، ج ۱، ص ۱۲۴

۵۵؎ مولانا شبیر احمد خاں غوری، صدرِ اسلام میں دینی علوم کے ارتقا کا اجمالی جائزہ، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر) جلد چہارم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳ء، ادارہ فروغِ اردو، لاہور، ص ۶۸

۵۶؎ ابن عبد البر، جامع بیان العلم، ج ۱، ص ۱۲۴

۵۷؎ سید محمد سلیم، پروفیسر، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۶۰

۵۸؎ ایضاً، ص ۶۱

۵۹؎ ریاست علی ندوی، اسلامی نظام تعلیم، طبع اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۷ تا ۳۸

۶۰؎ سید سلیمان ندوی، مسلمانوں کی آئندہ تعلیم، مشمولہ ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ، ج ۴۲، ص ۱۹۳۸ء

۶۱ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, p.358

۶۲؎ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, Edinburgh University Press, 1981, p.219

۶۳؎ ابن جماعة الکنانی، تذکرة السامع و المتکلم، دائرة المعارف العثمانیة، حیدر آباد دکن ۱۳۵۳ھ، ص ۲۱۱

۶۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۳

۶۵۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ، ص ۹۳

۶۶۔ شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی، معجم الادباء، مصر، ۱۹۲۳ء، ج ۱۵، ص ۱۵۷

۶۷۔ ایضاً، ج ۷، ص ۱۹۳

۶۸۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۶

۶۹۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ، ص ۱۷۶

۷۰۔ ابن ندیم، الفہرست، ص ۳۰۲، ۳۳۵

۷۱۔ احمد احمد بدوی، الحیاۃ العقلیۃ فی عصر الحروب الصلیبیۃ بمصر والشام، مکتبۃ نھضۃ مصر، ت ن، ص ۱۷

۷۲۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی، کتاب الخطط، مطبعۃ النیل، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج ۴، ص ۴۹ تا ۵۶

۷۳۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۸

۷۴۔ تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، طبع اول، المطبعہ الحسینیۃ مصر، ت ن، ج ۳، ص ۵۲

۷۵۔ المقریزی، کتاب الخطط، ج ۴، ص ۲۰

۷۶۔ ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، دار صادر بیروت، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ص ۲۳۹

۷۷۔ ابن ندیم، الفہرست، ص ۱۰۲، ۱۰۹

۷۸۔ احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء، ج ۲۔ ص ۱۳۷

۷۹۔ ابوالفرج الاصبہانی، کتاب الاغانی، مطبعۃ التقدم مصر، ت ن، ج ۱۵، ص ۱۱۳۔۱۱۴

۸۰۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ، ص ۵۱

☆☆☆